اسلامی نظام عدل اور معاہدۂ عمرانی

جناب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

اسلامی نظام کا قیام کیسے ممکن ہو؟

یہ ایک سوال ہے جسے حل ہونا چاہیے مگر صرف ایک نظام عدل ہی کے قیام کا مسئلہ نہیں بلکہ ہمارا کوئی مسئلہ خواہ وہ علمی ہو یا عملی، اخلاقی ہو یا روحانی، عمرانی ہو یا معاشی، سیاسی ہو یا بین الاقوامی مصطفوی انقلاب کے بغیر حل نہیں ہو سکتا۔

عدل گستری کی خاطر نظام عدل کے قیام کی جو مساعی دنیا میں ہو رہی ہیں۔ ان ... کی کسی کوشش اور سعی سے عدل اس لیے متصور نہیں ہو سکتا کہ اسلام کے علاوہ باقی تمام مذاہب عدل و انصاف کو حیات اخروی پر منحصر رکھتے ہیں اور انسانی استعداد کے زائیدہ فکر کی رو سے ذات باری تعالیٰ کا اثبات حتمی قطعی اور یقینی طور پر متصور نہیں ہو سکتا لہٰذا قدرتی حقوق تو مسلم ہو سکتے ہی نہیں اس لیے تمام انسانی حقوق رسم و رواج ہی سے اخذ کئے جا سکتے ہیں اور ایک مستند ریاست کے فیصلے ہی اُن کے رد و قبول میں مؤثر ہوں گے اور صحیح معنی میں ایک فلاحی ریاست کے وجود میں آنے کے لیے صرف ایک ہی شرط کا پورا ہونا ضروری ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ سیاسی تناقض رفع ہو جائے اور سیاسی تناقض کلمہ طیبہ پر مبنی معاہدہ عمرانی کے بغیر رفع ہو سکتا ہی نہیں۔

سیاسی تناقض یہ ہے کہ جب کوئی معاشرہ سیاسی طور پر منظم ہو کر ریاست کی شکل اختیار کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں مطیع اور مطاع وجود میں آجاتے ہیں تو

مطاع کو قانونی طور پر یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ مطیعوں سے جبراً اطاعت طلب کر سکے اگر اطاعت کا مطالبہ ہوس اقتدار کی تسکین کے لیے کیا جائے تو مستبد نظام قائم ہو جاتا ہے اور سیاسی تناقض کا رفع ہونا ناممکن ہو جاتا ہے لیکن ہوس اقتدار ہی حیات انسانی کے سیاسی پہلو کی وہ خاصیت ہے جو اصلاح پذیر نہ ہو تو ریاست کے محصولات "لوٹ" بن جاتے ہیں، پولیس دہشت انگیزی کا مظہر ہو کر رہ جاتی ہے، . . . . اور عدالتیں عدل و انصاف کی قربانگا ہوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

مطلق العنان ملوکیت، آئینی ملوکیت اور جمہوریت کے حوالے سے جو بحثیں جدید سیاسی فکر میں عمرانی معاہدے کے موضوع پر ہوئی ہیں اُن کی حیثیت ایک افسانے سے زیادہ نہیں ہے۔ ہابس، لاک اور روسو نے جس معاہدۂ عمرانی پر بحث کی ہے وہ تاریخ میں کبھی واقعہ کے طور پر وجود میں نہیں آیا تھا۔ ہابس کے معاہدۂ عمرانی میں بادشاہ فریق کی حیثیت نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ طاقت سے نظام قائم کرتا ہے اور لوگ اپنے مفادات یعنی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی خاطر اقتدار اور حاکمیت تسلیم کرتے ہیں۔ بادشاہ کے صرف حقوق ہیں اور یہ حقوق بقدر اس کے غلبے کی شدت کے مسلّم رہتے ہیں۔

جب عوام میں شعور پیدا ہوتا ہے یعنی قوت کا شعور اور بادشاہ کے کردار میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے اقتدار کی حفاظت کی خاطر چند آئینی پابندیاں قبول کر لیتا ہے، یہ لاک کے معاہدۂ عمرانی کی حیثیت ہے اور روسو کا معاہدۂ عمرانی سرتاسر عوام کے درمیان ہے یعنی اقتدار عوام کا حق ہے وہ اپنے اندر کچھ لوگوں کو اختیارات تفویض کر کے ایک نظام کی پابندی اپنے اوپر خود لازم کرتے ہیں۔ یہ جمہوریت ہے

مگر یہ معاہدۂ عمرانی تاریخی حیثیت سے کبھی وجود میں نہیں آیا۔ ان تینوں مفکرین نے معاہدۂ عمرانی کی جو وضاحت کی ہے اس کی حیثیت یہ ہے کہ اگر معاہدہ عمرانی وجود میں آیا ہوتا تو جس طرح ہابس لاک اور روسو نے اپنے تخیل میں سمجھا ہے، یوں ہوا ہوتا۔

اس کے برعکس ایک معاہدہ عمرانی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کے حکم ربانی کے تحت وجود میں آتا ہے جس کی اساس کلمہ طیبہ ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت "مطاع" کی ہے اور مہاجرینؓ انصار اور مشرکین و یہود "مطیع" کی حیثیت سے اس معاہدے میں فریق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ معاہدہ "میثاق مدینہ" کے نام سے ایک تاریخی حقیقت ہے اور یہ میثاق تاریخ انسانی میں اولین تحریری دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے قرآن اپنے ماننے والوں سے جس معاہدۂ عمرانی کا مطالبہ کرتا ہے اس کی پہلی بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ مطاع مطلق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت متصور نہیں ہو سکتی اور یہ کہ ان کی اطاعت احتمال خطا سے پاک ہے۔ یہ معاہدہ عمرانی بیعت سے وجود میں آتا ہے یہی اسوۂ مبارک ہے جس کی پیروی سے خلافت راشدہ وجود میں آتی ہے جس کا ایک وظیفہ نظام عدل کو قائم کرنا بھی ہے اور اسلام کا موقف یہ ہے کہ "عدل" حیات ارضی میں قبل از مرگ زندگی میں وجود میں آنا چاہیے۔ خلافت راشدہ سیاسی عمل کا معیاری نمونہ ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں سیاسی فکر و عمل کے زوال کی ابتدا ملوکیت سے ہوتی ہے کیونکہ کلمہ طیبہ کی بنیاد پر معاہدہ عمرانی کے برقرار نہ رہنے سے سیاسی فکر و

عمل کا زوال مکمل ہوتا ہے یہی زوال اقتدار سے محرومی کا پیش خیمہ ہے اگر مطلق العنان ملوکیت کا قیام اسلام کے سیاسی موقف یعنی کلمہ طیبہ کی بنیاد پر معاہدہ عمرانی سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ مگر یہاں اس التباس کا رفع کرنا ضروری ہے کہ خلافت راشدہ میں مطاع کے برسراقتدار آنے کے تین طریقے یعنی عام انتخاب، نامزدگی اور مجوزہ چند ناموں میں سے ایک کا انتخاب . . . . . . لیکن اس کے طریقے کی آڑ میں جمہوری طریق انتخاب کے جواز پر سیاسی جماعتوں کا اصرار اسلامی ریاست کے قیام کی ضمانت نہیں رکھتا اسلامی ریاست کا قیام "معاہدہ عمرانی" سے وجود میں آتا ہے جس کی صورت "بعیت" ہے بعیت مطاع اور مطیع دونوں کے لیے منزّل من اللہ احکام کے یکساں واجب التعمیل ہونے کا معاہدہ ہے۔

مغربی دنیا میں مطلق العنان ملوکیت سے آئینی ملوکیت کی طرف اور آئینی ملوکیت سے جمہوریت کی طرف آنا بصورتِ اقدام وخطا ارتقاء کی حیثیت رکھتا ہے اور ہمارا خلافت راشدہ سے معاہدہ عمرانی کے ساتھ ملوکیت کی طرف آنا اور بغیر معاہدہ عمرانی کے مطلق العنان ملوکیت کی طرف آنا زوال کی حیثیت رکھتا ہے پھر اگر ہم اس زوال کا مداوا دَورِ جدید کی پیروی میں جمہوریت کے ذریعہ کرنا چاہیں جس میں کلمہ طیبہ پر مبنی معاہدہ عمرانی کے بغیر کسی سیاسی عمل پر اصرار ہو تو کیا یہ اسلام سے انحراف کی راہ پر چلنے کے لیے بضد ہونا نہیں ہے!!! اگر جمہوری نظام میں مطاع کو بدلا جاسکتا ہے تو کلمہ طیبہ پر مبنی معاہدہ عمرانی (بعیت) سے وجود میں آنے والے "مطاع" کو برطرف کرنا اور زیادہ اہم اور سہل ہوجاتا ہے۔ مگر ہمارے سیاسیین کی بے کرداری معاہدہ عمرانی کی خلاف ورزی کے باوجود اقتدار سے ہٹادئے جانے کی روادار نہیں ہے اور چونکہ ہوس اقتدار کو پورا کرنے کے لیے

Dr. Zak... Jamia ... J. N...

جمہوریت ہی سے راہ ہموار ہوتی ہے۔ اس لئے یہی اُن کی آخری پناہ گاہ ہے۔

ریاست ایک انسانی ادارہ ہے جو معاہدہ عمرانی ہی سے وجود میں آتا ہے اور مطاع نامشہود معاہدہ عمرانی کا فریق نہیں بن سکتا انسانی ادارے کے قیام کے لیے مطاع اور مطیع دونوں کا انسان ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالےٰ کی پوری کائنات کی حاکمیت کو جو ایک مابعد الطبیعیاتی تصوّر ہے سیاسی تصور کے طور پر اختیار کرنے کا محرک صرف یہی ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باذن اللہ مطاع مطلق ہونے کا قلادہ اپنی گردن سے نکال دیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے نام سے تعبیر کا حق جمہوری نظام کے تحت اقتدار میں آنے والے مطاع کو حاصل ہو جائے یہی اس دور میں پوری دنیا میں ہو رہا ہے بلکہ اس دور میں پورے عالم پر ویسی ہی ایک بھیانک اور تاریک تر جاہلیت چھائی ہوئی ہے جس سے نکالنے کے لیے دورِ رسالت میں کامیاب جدوجہد کی گئی تھی۔ اب بھی ویسی ہی جدوجہد کی ضرورت ہے۔

سورۃ فاتحہ سے ابتدا کی جائے تو اس میں تین جزو نمایاں ہیں؛

١۔ ذات وصفات باری کا اثبات۔

٢۔ عبادت واستعانت کا اقرار اور ہدایت کی دعا (اھدنا الصراط المستقیم)

یہ دعاء بامعنی اور بامقصد صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب اس دعاء کا محتوی مقصودِ بعثت کو پانے کی ہدایت ہو آج زندگی جس ضلالت میں گرفتار ہے وہ دین حق پر جاہلیت کا غلبہ ہے جسے غلبہ دین حق سے بدلنا مطلوب ہے۔ اس کا ایک پہلو نظام عدل کا قیام ہے جب تک کلمہ طیبہ پر مبنی معاہدہ عمرانی کے قیام سے فلاحی ریاست وجود میں نہ آئے جس کے نتیجہ

میں مطاع اور مطیع دونوں کے لیے مُنزّل من اللہ احکام یکساں واجب التعمیل نہ ہو جائیں عدل گستری جو عبارت ہے ایتائے حقوق سے دنیا کی کسی ریاست کی عدالت میں متصور نہیں ہو سکتی۔

اللہ پاک فرماتا ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٓئک ھم الظّالمون ۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٓئک ھم الکافرون ۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٓئک ھم الفاسقون

آج بھی جاہلیت کے غلبے کو دین حق سے بدلنا مطلوب ہے۔ جن کے لیے پیغمبرانہ رہنمائی ضروری ہے پیغمبرؐ اسلام نے علم بالوحی کی رہنمائی میں عرب کے جاہلی معاشرے کو اسلام کے مثالی معاشرے میں بدل دیا۔ اب اگر ہم اپنے بگڑے ہوئے معاشرے کو انہی خطوط پر بدلنا چاہیں تو ہمیں مثالی اسلامی معاشرے کی مندرجہ ذیل خصوصیات کو پیش نظر رکھنا ہو گا۔ یعنی؛

۱۔ نوع انسانی کی وحدت کا تصور

۲۔ یہ کہ معاشرہ اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الاصل افراد پر مشتمل ہو۔

۳۔ یہ کہ ان افراد کی جدوجہد کا مقصود یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہیں اور

۴۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت اور آپؐ سے غیر منقسم وفاداری اس معاشرے کے استحکام کی بنیاد ہو تاکہ شرک فی النبوۃ سے

لہ المائدہ ۴۴، ۴۵، ۴۷۔

پیدا ہونیوالا اختلاف فرقہ پرستی کی شکل اختیار نہ کرسکے کیونکہ
فرقہ پرستی عبارت ہے

● ۔ بے جان عقائد، مردہ رسوم، مفاد پرستانہ گروہ بندیوں کو پیغمبرانہ راہِ حق
پرستی؛ اتحاد بین الفرق کو کفر اور فرقہ پرستانہ منافرت کے
اظہار کو دینی حمیت کا تقاضا سمجھنے سے۔

کلمہ طیبہ پر مبنی معاہدہ عمرانی یعنی و اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی
الامر منکم (جس کے بغیر اسلامی ریاست کا تصور بھی نہیں ہوسکتا) انتخاب
سے نہیں "بیعت" سے وجود میں آتا ہے اور جمہوریت کے پرستار محمد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم باذن اللہ مطاع مطلق ہونے کی نفی کرکے اپنے واسطے سے خدا کی
اطاعت چاہتے ہیں۔

ورائے محسوسات کوئی حقیقت ہے ہی نہیں

جمہوریت پرست حسیت کی بنیاد پر وجود باری کی نفی کرتے ہوئے پارلیمانی نظام کی صورت میں الوہیت قائم کرکے برطانوی پارلیمنٹ کی طرح کا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں
جس میں "سدومت" قانوناً روا ہے۔ یہ سب کچھ بین الاقوامی سطح پر باطل کے غلبے
کے یقین کو پسند کرکے اس کی پیروی کا نتیجہ ہے۔

انفرادی زندگی کے تینوں پہلوؤں (یعنی فکری، ایمانی اور اخلاقی) کی اصلاح
انسان مرتضیٰ بننے کے نصب العین پر منحصر ہے جس کے حصول کا ضامن لائحہ عمل

لے

صحیفۂ انقلاب سے میسر آتا ہے۔ اجتماعی زندگی کے تینوں پہلوؤں یعنی معاشرتی، معاشی، سیاسی کی اصلاح ایک مثالی معاشرے کے قیام کو نصب العین بنا کر اس کے حصول کی جدوجہد سے وابستہ ہونے پر منحصر ہے اور یہ جدوجہد حتماً قطعاً متصور نہیں ہو سکتی۔

نیز عمرانی وحدت کے شعور کی بنیاد اقرار توحید و رسالت ہو تبھی کلمہ طیبہ پر مبنی معاہدہ عمرانی سے پیدا ہونے والی ریاست میں اخلاق اور معیشت کے ناگزیر تعلق کی بنا پر نظامِ عدل کا قیام عمل میں آئے گا۔

بہرحال ہر سطح پر ایک عملی اساس درکار ہے انفرادی سطح پر عملی اساس فطرت انسانی کی ثنویت (بالفعل فطرت اور بالقوہ فطرت) ہے، اجتماعی سطح کی عملی اساس انسان کا اس حد تک فطرتاً عمرانی الطبع ہونا ہے کہ انسان بغیر معاشرے کے نہ وجود میں آسکتا ہے نہ باقی رہ سکتا ہے نہ ترقی کر سکتا ہے صرف مر سکتا ہے بین الاقوامی سطح کے نصب العین کے لیے عملی اساس امن و عافیت کی آرزو ہے جس سے بین الاقوامی زندگی کی اُس خاصیت نے محروم کر دیا ہے جو عداوت و عناد اور اس کے جوابی عمل یعنی جنگ و رجنگ کا مظہر ہے، اس امر کو پرکھنے کا معیار وہ احکام ہیں جو زندگی کے انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی مقاصد سے متعلق ہیں۔

اس عمل کے لیے نمونہ کمال بعثت سے ہجرت تک، ہجرت سے فتح مکہ تک اور فتح مکہ سے حجۃ الوداع تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد ہے جو اسوۂ مبارک کی حیثیت رکھتی ہے۔

" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور تکذیب کا تضاد وہ محرک ہے جو زندگی کی کسی سطح پر جدوجہد سے انحراف کرنے میں حائل ہے۔ اگر جدوجہد

میں استقامت نہ رہے تو تکذیب کی قوتیں تصدیق کے علمبرداروں پر غالب آجاتی ہیں ہر جدوجہد سے پہلے یقین ضروری ہے جس کے بغیر جدوجہد نہیں ہو سکتی اور ایک یقین وہ ہے جو کامیابی کے بعد راسخ ہوتا ہے۔ پہلا یقین ایمان بالغیب ہے جس کا تعلق غیب الارض سے ہے یہ اس سیاسی غلبہ اور معاشی آسودہ حالی کا یقین ہے جو ابھی نظروں سے اوجھل ہے۔

دوسرے یقین کا تعلق غیب السموات سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے باب میں بیدہ الخیر وھو علی کل شیء قدیر اور ایسے لاشریک وجود واحد کے ہونے کا یقین جس کے مقابلے میں باطل کی کوئی حیثیت نہ ہو یہ یقین ایک مسلسل عمل کا طلب گار ہے جو باطل کی شکست تامہ پر منتج ہو کیونکہ جب تک باطل کی طرف سے مزاحمت ہو رہی ہے نہ اس کے وجود کا انکار ہو سکتا ہے نہ مؤثر ہونے کا۔ احقاقِ حق اور ابطال باطل کے لیے باطل کا وجود ضروری ہے اور ایمان باللہ کے راسخ ہونے کی شرط یہ ہے کہ باطل کو مکمل شکست دی جائے۔ اور باطل کی مکمل شکست کے لیے انقلابی جماعت کے ایمان کی آبیاری کی جائے جس کے لیے ایمان بالغیب کی اساس متعین کرنا ضروری ہے۔

ایمان بالغیب کی ایک اساس

غایت تخلیق، غایت بعثت، غایت نزول قرآن کا ایک ہی غایت ہونا اور دوسرے مندرجہ ذیل کائناتی قوانین؛

١ - قانونِ نشوونما یعنی وجعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین مجرم پیغمبرانہ دعوت کی مزاحمت کریں گے اور اصحاب ایمان کی طرف سے مزاحمت کی مزاحمت ہو گی تو دعوت کامیاب ہو گی۔

۲- تاریخی قانون، اس دعوت سے دو جماعتیں وجود میں آئیں گی حزب اللہ اور حزب الشیطان حزب اللہ ہی غالب رہے گی اس کی ضمانت کا ثناتی قانون سعادت وشقاوت میں ہے جس کی حیثیت تیسرے قانون کی ہے۔

قد افلح من زکھا وقد خاب من دسّھا۔

اس قانون کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے غلبہ حق متعین ہونا ہے کیونکہ جس کا نفس حرص ولالچ سے پاک ہوجاتا ہے وہ دوسروں کو نشو ونما دیتا ہے۔ لہٰذا فلاح پاتا ہے اور جس کا نفس حرص ولالچ میں مبتلا رہتا ہے وہ نشو ونما فیض رسانی اور نفع بخشی کو اپنے مروجہ مفاد کی خاطر روکتا ہے لہٰذا ناکام ہوتا ہے۔

یہ تینوں قوانین باہمدگر مربوط ہیں اور صرف انہی قوانین میں ہر جدوجہد کے کامیاب ہونے کی ضمانت ہے نظام عدل کا قیام پیغمبرانہ مقاصد کے لیے انقلاب کا طلب گار ہے اور اس دور میں اقدار کی تباہی فرد کی جانب سے نہیں ہورہی بلکہ معاشرہ اجتماعی نظام کی خرابی سے تباہ ہورہا ہے اور اجتماعی زندگی بین الاقوامی فساد کے باعث تباہ ہورہی ہے یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام، باوجودیکہ کرۂ ارض کی ایک تہائی آبادی اور سنتالیس مقتدر ریاستوں پر مشتمل ہے متحد نہ ہونے کی بناء پر مغلوب ہے اور نظام عدل کے قیام سے قاصر ہے اس کا علاج یہ ہے کہ مسلم امت غلبہ دین حق کے لیے متحد ہوکر اپنے خلاف تضاد کو دعوت دے اسطرح وہ انقلاب کے قرآنی لائحہ عمل پر کاربند ہونے کا شعور پیدا کرے گی اور نظام عدل کا قیام بھی اسی شعور کا ایک ناگزیر حصہ اگرچہ تفصیلات کے لحاظ سے دوسرے مروج نظامہائے عدل سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔